بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

ذکرِ حبیبؑ

تقریر

حضرت مرزا شریف احمدؐ صاحب مدظلہ العالی

ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد

بموقعہ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ سنہ ۱۹۵۸ء منعقدہ ربوہ

الناشر
مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ (پاکستان)

ذکرِ حبیبؐ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ
نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آمین

گذشتہ دو سالوں سے جلسہ سالانہ کے پروگرام میں مجھے
ذکرِ حبیبؐ کے عنوان پر تقریر کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ میں اللہ تعالےٰ

کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے میری عام خرابیٔ صحت اور ناسازیٔ حالات کے باوجود محض اپنے فضل سے گزشتہ دو سالوں میں مجھے یہ توفیق دی۔ اور اب پھر تیسری بار اس کا موقعہ پیدا فرمادیا ہے کہ مَیں اسی عنوان پر دوستوں سے خطاب کر رہا ہوں۔

مَیں آغازِ تقریر میں ہی دوستوں سے اِس دفعہ بھی اِس فرض کی بہتر اور احسن ادائیگی کے لئے دُعا کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی صحیح توفیق دے۔ اور میرے الفاظ اور بیان میں ایسی تاثیر پیدا فرمائے جو دوستوں کے دلوں میں ایک نیک اور پاک تبدیلی کا موجب بن سکے۔

ذکرِ حبیبؑ کا عنوان حقیقتاً ایک بڑا اہم اور مقدس عنوان ہے جس سے ہمیں محض علمی اور دینی لگاؤ ہی نہیں بلکہ ایک گہرا جذباتی تعلق بھی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آج ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن کون سا دل ہے جس میں اُن کی یاد آج اپنی پوری حلاوت اور پوری شدّت کے ساتھ موجود نہیں ہوگی۔ اور جو آج ہمیں مجبور نہ کر رہی ہو کہ ہم اپنے محسن و مشفق کا ذکر بھی ایسے رنگ میں کریں جو ہماری اپنی رُوحوں کی غذا کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کے لئے بھی

دعوتِ ایمان کا باعث بن سکے جو حضورؑ کی قائم کردہ جماعت کے شیرازہ میں ابھی تک منسلک نہیں ہوئے۔

آج کی اِس تقریر میں میری کوشش ہوگی کہ مَیں اُن روایات کو دُہرائے بغیر جو گزشتہ دو سالوں میں مَیں دوستوں کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذکرِ پاک کے ضمن میں چند مزید نئی باتیں کہہ سکوں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جہاں مَیں اُن کے انتخاب اور بیان میں محض اپنے ذوق سے کام لوں گا، وہاں دوست بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ لہٰذا دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اِن عام سادہ سادہ باتوں کو بھی پوری توجہ سے سُنیں اور ان سے صحیح روحانی اور علمی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

گزشتہ سے پیوستہ سال میری اِس تقریر کا رنگ زیادہ تر تبلیغی تھا۔ دوسرے سال مَیں نے جماعت اور افراد کی تربیت کے نقطۂ نگاہ سے اُن روایات کو بیان کرنے کی کوشش کی تھی جو تربیت سے ہی زیادہ تر تعلق رکھتی تھیں۔ گویا دوسرے سال کی تقریر تربیتی تھی۔ لیکن اِس سال جن روایات کو

مَیں بیان کرنا چاہتا ہوں اُن میں یہ رنگ تو دونو قائم ہیں لیکن ضروری امتیاز اور خصوصیت کے خیال سے مَیں نے یہ امر بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اِن روایات سے کچھ تاریخی اور واقعاتی پہلو بھی سامنے آجائیں۔ گویا اِس سال کی تقریر تبلیغی بھی ہوگی۔ تربیتی بھی ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ اِس میں تاریخی اور واقعاتی رنگ قائم رکھنے کی بھی کوشش کروں گا۔ وباللہ التوفیق۔

اِس سلسلہ میں جو پہلی روایت دوستوں کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک شعر سے متعلق ہے۔ حضورؑ کی ۴۵۸ اشعار کی ایک مشہور طویل نظم ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے، مرے محسن مرے پروردگار

یہ نظم براہینِ احمدیہ حصہ پنجم میں شائع ہوئی تھی۔ اِس نظم کا ایک شعر کتابوں میں یوں موجود ہے ؎

مضمحل ہوجائیں گے اس خوف سے سب جن وانس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حالِ زار

لیکن درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر پہلے یوں نہیں لکھا تھا۔ بلکہ اس شعر کا پہلا مصرعہ

ع مضمحل ہوجائیں گے اس خوف سے سب جن وانس

کی بجائے یہ تھا کہ

ع مضمحل ہوجائیں گی اس خوف سے سب طاقتیں

"طاقتیں" کی جگہ "جن وانس" کے الفاظ لانے اور اسی بناء پر "ہوجائیں گی" کی بجائے "ہوجائیں گے" کے الفاظ کی تبدیلی دراصل اُس وقت خواجہ کمال الدین صاحب کے کہنے پر عمل میں لائی گئی تھی۔ اِس کی تفصیل کسی قدر یوں ہے۔ کہ براہینِ احمدیہ حصہ پنجم جب طبع ہو رہا تھا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے اِس نظم کا پروف دیکھا اور اصل مصرعہ میں لفظ "طاقتیں" کی وجہ سے بہت گھبرائے اور اسی عالم میں حضورؑ کی خدمت میں پہنچے۔ اور کہنے لگے کہ "طاقت" سے مراد تو حکومت ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں کوئی کیس چل جائے۔ اور اپنے اِس موقف پر بہت زور اور اصرار سے کام لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اُن کی اِس درجہ گھبراہٹ اور اصرار کو دیکھا تو قدرے توقف سے فرمایا:۔

"اچھا ہم ایسا لفظ رکھ دیتے ہیں جس سے ہمارا مطلب بھی

ادا ہو جائے اور لفظ "طاقتیں" بھی بدل جائے"۔

چنانچہ اس پر حضور نے "سب طاقتیں" کی جگہ "سب جن و انس" کے الفاظ رکھے اور پھر نئی کتابت کروا کر نئی کاپی طبع کروائی گئی۔ وہ فرمہ جس میں "سب طاقتیں" کے الفاظ تھے اور جو پہلی بار طبع ہوا تھا اس کا ایک کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس روایت کے متعلق حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب نے ظہر کی نماز کے وقت مسجد مبارک میں حضور سے اس تبدیلی کے متعلق عرض کیا تھا۔ جس پر حضور نے فرمایا تھا۔ کہ اچھا ہم یہ لفظ تبدیل کر دیں گے۔ اسی طرح فرمایا تھا کہ ایک اور نوٹ بھی ساتھ لگانا ہے۔ اس کے لئے ایک پرچہ علیحدہ شائع کر لیا جائے۔ چنانچہ بعد میں جو کاپی طبع ہوئی اس میں مذکورہ تبدیلی کے علاوہ زلزلہ کے لفظ پر ایک وضاحتی نوٹ بھی تھا۔ کہ زلزلہ سے مراد صرف زلزلہ ہی نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ کوئی شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلا دے۔ جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو۔ اسی نوٹ میں حضور نے یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہوا اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں میں

کاذب ٹھہروں گا۔

جس وقت یہ فرمہ طبع ہوا تھا اُس وقت مرزا محمد اسماعیل مطبع میں مشین مین تھے اور میر مہدی حسین صاحب پروف وغیرہ پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے۔

اس روایت کے پیش کرنے سے میرا مقصد دوستوں کے سامنے اس قسم کی ایک مثال پیش کرنا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیسے اپنے ارادت مندوں، ہم نشینوں اور واقفوں کا مشورہ قبول فرما لیا کرتے تھے اور اگر غیر مناسب نہ ہو تو اس کے مطابق اپنی تحریرات میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی فرما لینے میں کوئی حرج تصور نہیں فرماتے تھے۔

اس شعر میں جو تبدیلی کی گئی ہے اگر خواجہ صاحب اس قدر اصرار نہ کرتے اور اُن سے یوں گھبراہٹ کا اظہار نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ حضور یہ تبدیلی نہ فرماتے۔ لیکن خواجہ صاحب کی اس حالت کو دیکھ کر حضور نے معمولی توقف کے بعد آخر ایسا کر لیا۔

یہ عجیب تصرف الٰہی ہے کہ حضور کی اس نظم میں جس پیشگوئی

کا ذکر ہے اس کے نتیجے میں اگرچہ جن و انس بھی خوف و ہراس سے مضمحل ہوئے تھے لیکن اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن دونوں درحقیقت "طاقتیں"۔ "حکومتیں" اور مملکتیں ہی اضمحلال، خوف اور تباہی کا شکار ہوئی تھیں اور خصوصاً

زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

کا نقشہ دُنیا کے سامنے آگیا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کے منہ سے جو الفاظ نکلوائے تھے اور جن کا ثبوت اس وقت بھی موجود ہے ان کو بہرحال اسی شان اور اسی مفہوم کے ساتھ پورا فرمایا جس کے درحقیقت وہ مستحق اور متحمل تھے۔

خواجہ کمال الدین صاحب ہی کا اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے اور اس کی توثیق حافظ مختار احمدؐ صاحب شاہجہانپوری سے بھی مَیں نے کرائی ہے۔ جو خود اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔

لاہور میں جلسۂ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء میں جب منعقد ہوا تو حضور کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ حضور نے اس جلسہ کے لئے وہ معرکۃ الآراء مضمون تحریر فرمایا جو آج "اسلامی اصول کی فلاسفی" کے نام سے شائع شدہ کتاب کی صورت میں ملتا ہے اور جسے اس جلسہ

میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا تھا۔ آپ نے جب یہ مضمون مکمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے الہاماً آپ پر یہ ظاہر فرمایا کہ آپ کا یہ مضمون تمام دوسرے مضامین پر غالب اور بالا رہے گا۔ چنانچہ حضورؑ نے قبل از وقت اس مضمون کے اشتہار بھی شائع کروا دیئے جس میں اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کو واضح طور پر دُنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ ۲۶ ۲۷ ۔ ۲۸ دسمبر اس جلسہ کی تاریخیں تھیں اور ۲۱ دسمبر کو حضور کی طرف سے "سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری" کے عنوان سے اشتہار شائع کیا گیا۔ جس میں یہ الفاظ تھے کہ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سُنیں شرمندہ ہو جائیں گی۔ اور ہرگز قادر نہیں ہوں گی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ . . . . کیونکہ خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اُس روز اُس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ اسی طرح اس اشتہار میں یہ الہام بھی درج تھا کہ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ

جب یہ اشتہار شائع کروا دیئے گئے تو دیواروں وغیرہ پر چسپاں کروانے اور تقسیم کرنے کی غرض سے خواجہ کمال الدین صاحب کو ہی دیئے گئے۔ لیکن خواجہ صاحب کو اس میں بھی سخت تردّد اور گھبراہٹ تھی۔ بلکہ انہوں نے برملا ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ یہ مضمون گویا اِس قابل ہی نہیں کہ اِس کے متعلق یوں قبل از وقت تحدی اور چیلنج کی صورت میں اشتہار دے دیا جائے۔ چنانچہ اُن کا یہی ذہنی تذبذب اور دغدغہ تھا کہ اگرچہ وہ اِن اشتہارات کو روک تو نہیں سکتے تھے لیکن انہوں نے دیواروں وغیرہ پر لگوائے اتنی بلندی اور اونچائی پر کہ جہاں سے لوگ اُنہیں آسانی سے پڑھ بھی نہ سکیں۔ . . . . . . لیکن اس کے باوجود یہ خدا کی بات تھی جو خدا کے ایک مامور کے مُنہ سے نکلی تھی اور اس سے اسلام، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی شان اور فضیلت کا اظہار وابستہ تھا۔ چنانچہ وہ بہر حال پوری ہو کر رہی اور دُنیا اور خود خواجہ کمال الدین صاحب نے دیکھا کہ جس چیلنج کو وہ دبانے کی کوشش کر رہے تھے اسی کے مطابق وہ مضمون تمام دوسرے مضامین پر غالب رہا اور دشمن و دوست نے اس کا اعتراف کیا کہ اگر آج اس مجلس میں اسلام کے اس جری پہلوان کی طرف سے یوں اسلام کی اتنی شاندار ترجمانی اور نمائندگی

نہ ہوتی تو مسلمانوں کی ناک کٹ جاتی۔ چنانچہ اس وقت کے اخبارات و جرائد نے بھی جلسہ کی کارروائی درج کرتے ہوئے حضورؑ کے اِس مضمون کی بے پناہ تعریف کی تھی اور اب بھی اپنی کتابی شکل میں جن لوگوں تک یہ مضمون پہنچ رہا ہے وہ اس کو پڑھ کر اس کے بے مثال معجزہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اسلام کی ازلی و ابدی صداقتوں کا اعتراف کئے بغیر انہیں کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اِس سلسلہ میں مجھے ایک مخالف غیر احمدی اخبار نویس کا تبصرہ بھی ملا ہے جو اُس نے اُنہی دنوں خود اس تقریر کو سُن کر لکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے یہ تبصرہ ہمارے ریکارڈ میں نہیں آیا اس لئے ازدیادِ ایمان کے خیال سے بھی اور خواجہ صاحب کے اِس تذبذب کے ساتھ تقابل کے نقطۂ نگاہ سے بھی وہ تبصرہ دوستوں کو سُنا دیتا ہوں۔ اخبار نویس لکھتا ہے:۔

"اِن لیکچروں میں سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی رُوح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔ جس کو مشہور فصیح البیان مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ ۲۷ر دسمبر قریباً چار گھنٹے اور ۲۹ دسمبر کو دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کُل چھ گھنٹے میں یہ لیکچر تمام ہوا جو

حجم میں سو صفحے کلاں تک ہوگا۔ غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب
نے یہ لیکچر شروع کیا اور کیسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو
ہوگئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین وتحسین بلند تھی۔ اور
بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین
کی طرف سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر ہمارے کانوں نے
ایسا خوش آیند لیکچر نہیں سنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے
لوگوں نے لیکچر دیئے سچ تو یہ ہے کہ وہ جلسہ کے مستفسرہ
سوالوں کے جواب بھی نہیں تھے۔ عموماً سپیکر صرف چوتھے
سوال پر ہی رہے۔ اور باقی سوالوں کو انہوں نے بہت ہی
کم پیش کیا۔ اور زیادہ تر اصحاب تو ایسے بھی تھے جو
بولتے تو بہت تھے مگر اس میں جاندار بات کوئی نہیں تھی۔
بجز مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالات کا علیحدہ علیحدہ
اور مفصل و مکمل جواب تھا اور جس کو حاضرینِ جلسہ نے نہایت
ہی توجہ اور دلچسپی سے سنا اور بڑا بیش قیمت اور
عالی قدر خیال کیا۔

ہم مرزا صاحب کے مرید نہیں ہیں اور نہ اُن سے ہم کو
کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کرسکتے اور نہ

کوئی سلیم الفطرت اور صحیح کانشنس اس کو روا رکھ سکتا
ہے۔ مرزا صاحب نے کُل سوالوں کے جواب (جیسا کہ
مناسب تھا) قرآن شریف سے دیئے اور تمام بڑے
بڑے اصول و فروعاتِ اسلام کو دلائلِ عقلیہ سے اور
براہینِ فلسفہ کے ساتھ بہترین و مزین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے
الٰہیات کے مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو
بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائلِ قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ
الفاظِ قرآنی کی فلالوجی اور فلاسفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی۔
غرضیکہ مرزا صاحب کا لیکچر بحیثیت مجموعی ایک مکمل اور
حاوی لیکچر تھا جس میں بے شمار معارف و حقائق و حِکم و
اسرار کے موتی چمک رہے تھے۔ اور فلسفہ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ
سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہلِ مذاہب ششدر ہو گئے
تھے۔ کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں
تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔ تمام ہال
اُوپر نیچے سے بھر رہا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش
ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور

دیگر سپیکروں کے لیکچروں کے امتیاز کے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ آکر گری جیسے شہد پر مکھیاں۔ مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بوجہ بے لطفی بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اُٹھ جاتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی تھا۔ وہی مُلّائی خیالات تھے۔ جن کو ہم لوگ ہر روز سُنتے ہیں۔ اس میں کوئی عجیب وغریب بات نہ تھی اور مولوی صاحب موصوف کے دوسرے لیکچر کے وقت کئی شخص اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ مولوی صاحب ممدوح کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے چند منٹ زائد کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔"

(اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی مطابق یکم فروری ۱۸۹۷ء)

خواجہ کمال الدین صاحب کا اِسی نوعیت کا ایک اور واقعہ ہے:-

سعد اللہ لدھیانوی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شدید مخالفوں میں سے تھا اس کی بدزبانیوں اور حد درجہ گستاخیوں کے بعد جب حضور نے اسکے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ وہ ابتر اور لاولد مرے گا تو اِس موقعہ پر بھی

خواجہ صاحب نے اسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے حضور کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ حضور اس پیشگوئی کو شائع نہ فرمائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے خلاف کوئی کیس بن جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے۔ پہلے تو نرمی سے سمجھایا کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ میں اس کی اشاعت سے کیسے رُک سکتا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود جب خواجہ صاحب کا اصرار جاری رہا تو حضور نے ایک قسم کی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا:-

"خواجہ صاحب! آپ کوئی فکر نہ کریں۔ اگر مقدمہ ہمارے خلاف چل بھی گیا۔ تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے"۔

چنانچہ اس کے بعد خواجہ صاحب خاموش ہوگئے۔

مولوی سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق حضور کی یہ پیشگوئی بھی اللہ تعالےٰ کے اقتداری نشانات میں سے ایک عظیم الشان نشان تھا۔ ادھر مولوی سعد اللہ لدھیانوی اشتہار پر اشتہار اور نظم پر نظم لکھ رہا تھا۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تمام سلسلہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے ان شانئك هو الابتر کے الفاظ کہلوا کر یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ خود سعد اللہ لدھیانوی ہی ابتر اور منقطع النسل ٹھہرے گا۔

چنانچہ یہ عجیب بات ہے کہ جب سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق پیشگوئی کی گئی تو اس وقت بھی اس کا ایک نوجوان لڑکا عبداللہ نامی موجود تھا۔ جس کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ گویا ظاہراً نہ صرف مولوی سعد اللہ لدھیانوی اسوقت ابتر نہیں تھا بلکہ اسکی آئندہ نسل کے قیام کے ذرائع بھی موجود تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا یہ اقتداری نشان تھا۔ کہ اس کے باوجود سعد اللہ لدھیانوی کا لڑکا بھی ابتر ٹھہرا۔ اور دونو باپ بیٹا اپنے گناہوں اور سرکشیوں کی سزا میں ایسے عالم میں اس جہان سے کوچ کر گئے۔ کہ ان کا سلسلہ نسل ختم اور خوار ہو چکا تھا۔ اور یوں اس خدائی کلام کی صداقت بھی غیر معمولی حالات میں غیر معمولی آب و تاب سے پوری ہوئی۔ جس کے متعلق خواجہ صاحب کو اپنے کسی خاص نقطہ نگاہ سے اس قدر گھبراہٹ پیدا ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے رسالہ الاستفتاء میں اس واقعہ کا کسی قدر اجمالی ذکر فرمایا ہے۔ اور اگرچہ خواجہ کمال الدین صاحب کا نام تو درج نہیں فرمایا تاہم اتنا ذکر ضرور کیا ہے کہ فمنعنی من ذالک وکیلٌ کان من جماعتی وخوفنی من ارادۃ اشاعتی۔ یعنی اس پیشگوئی کی اشاعت سے مجھے ایک وکیل نے جو میری جماعت میں سے ہے روکا اور ڈرایا تھا۔

یہی مولوی سعد اللہ لدھیانوی تھا جس کی اسی قسم کی بدزبانیوں کے جواب

میں آخر ڈاکٹر سر محمد اقبال کو بھی جو اس زمانہ میں مرے کالج سیالکوٹ میں ہوتے تھے۔ ایک طویل نظم لکھنا پڑی جس کا پہلا شعر یوں ہے۔ کہ

سعدیا بس دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
مہتروں میں خوب ہوگی قدردانی آپ کی

یہ تینوں واقعات جو میں نے بغیر کسی خاص ترتیب کے دوستوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اس امر کے واضح طور پر آئینہ دار ہیں۔ کہ ایک مامور من اللہ کو اپنے خدا کے دئے ہوئے علم پر کتنا یقین اور ایمان ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے امور میں بھی وہ دلیرانہ تحدی اور چیلنج سے کام لیتا ہے۔ جن کے بیان کرنے سے عام دنیا دار زبان رکتی اور ہچکچاتی ہے۔ اسی طرح یہ واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس بلند کردار کے بھی شاہد ہیں۔ کہ حضور اپنے قریب رہنے والوں کے مشوروں کو نرمی سے سنتے اور حسب ضرورت انکو قبول بھی فرما لیتے تھے —— آج کی دنیا میں لوگ معمولی معمولی باتوں پر چمک اٹھتے ہیں طبائع میں تیزی کا رجحان اتنا بڑھ گیا ہے کہ کوئی شخص اپنی منشاء کے خلاف کسی معمولی سی بات کو بھی سہارنے کے لئے تیار نہیں ہوتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت میں یوں تو اور بھی کئی بہتر سے بہتر مثالیں مل سکتی ہیں لیکن یہی تین واقعات اس امر کے لئے دوستوں کے

سامنے کافی ہیں۔ کہ حضور کس قدر حلم۔ نرمی۔ بردباری اور دوستوں کی
حوصلہ افزائی اور ساتھ ہی ساتھ انکی تربیت کا خیال بھی رکھا کرتے تھے
ہماری جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر الٰہی صفات کو
ترقی دیں۔ اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کی غرض سے
دوسرے لوگوں تک ان کا بہترین اظہار کریں۔

میرے اپنے نکاح سے متعلق ایک واقعہ ہے جس سے دوستوں کو یہ اندازہ
بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حضور دوسرے لوگوں کی طبائع اور ان کے نازک احساسات
کا کس قدر خیال فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۰۷ء میں میرا نکاح میرے شہر والے مکان میں پڑھا گیا تھا۔ یہ وہی مکان
تھا جو بعد میں اُمّ طاہر کا بن گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے نکاح
پڑھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس موقعہ پر باہر کے دوستوں کو بھی بلایا گیا تھا اور
دوست کافی تعداد میں آئے تھے۔ میری عمر چھوٹی ہی تھی لیکن ایجاب و قبول
خود میں نے ہی کیا تھا۔ اسی طرح لڑکی کی طرف سے خود حضرت نواب محمد علی
خان صاحب تھے۔ اس موقعہ پر حضرت نواب صاحب کے دو غیر احمدی بھائی
بھی قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ نکاح کی مجلس انکی
موجودگی میں ہو تاکہ یہ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ لوگ تو مخالف ہیں۔ اگر نکاح کی
مجلس ان کی موجودگی میں ہوئی اور یہ اس میں شریک ہوئے تو ہو سکتا ہے
کہ کسی بات سے یہ برا منائیں۔ اور مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں۔ اس سے
خواہ مخواہ انہیں بھی اور ہمیں بھی تکلیف ہوگی۔ چنانچہ بعد میں
جب یہ قادیان سے چلے گئے تو پھر مجلس نکاح کا انعقاد ہوا۔ اور
اس سے پہلے صرف اسی وجہ سے انتظار کیا گیا کہ کہیں ان باہر
سے آئے ہوئے دوستوں کے لئے کوئی ناگوار بات پیدا نہ ہو جائے۔

واقعاتی اعتبار سے حضرت نواب محمد علی خانصاحب
کا ایک اور واقعہ بیان کر دیتا ہوں۔ غالباً ۱۹۰۱ء میں وہ ہجرت
کر کے قادیان آ گئے تھے۔ ابتدائی رہائش آپ نے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے مکان کے مشرقی طرف کچے مکانوں میں اختیار کی تھی۔
اس کے بعد آپ نے بٹالہ سے پختہ اینٹیں منگوا کر علیحدہ مکان بنوا
لیا تھا۔ جس میں آپ عرصہ دراز تک رہتے رہے۔ ان دنوں قادیان
میں ابھی بھٹہ نہیں بنا تھا۔ محض آوے میں چھوٹی چھوٹی اینٹیں تیار ہوتی
تھیں۔ میری یاد داشت کے مطابق غالباً قادیان میں نئی اینٹوں کا یہی
پہلا پختہ مکان تھا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب

منارۃ المسیح کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا تو پھر ہمارے باغ کے جانبِ مشرق ایک بھٹہ بنایا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب انجمن نے مرزا افضل بیگ صاحب سے کچھ اراضیات خریدیں تو حضرت نواب صاحب نے بھی دس گھماؤں زمین خرید کر ایک علیحدہ کوٹھی بنوالی۔ اسی کوٹھی کا نام دارالسلام ہے۔ یہیں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رض کی وفات ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اس کوٹھی کا صرف ایک حصہ تعمیر ہوا تھا۔ تکمیل بعد میں ہوئی تھی۔ حضور کی زندگی میں نواب صاحب اس کوٹھی میں منتقل نہیں ہوئے تھے۔

۱۹۰۵ء کے موسمِ بہار میں جب کانگڑہ کا زبردست زلزلہ آیا تھا تو اس وقت میں سو رہا یا قریباً سونے کی کیفیت میں تھا۔ صبح کے وقت نماز کے قریب ہی زلزلہ آیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ قریباً نصف گھنٹے تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے تھے۔ جب تک یہ جھٹکے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مکان سے باہر نہیں گئے بلکہ اندر ہی رہے۔ اور کثرت سے استغفار کرتے رہے۔ گھر کے باقی لوگ اس حصہ مکان میں تھے جس میں بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی حرمِ اوّل رہا کرتی تھیں۔ اس زلزلہ کے بعد ہی حضرت مسیح موعود

علیہ السلام اپنے باغ میں تشریف لے گئے تھے۔ اور کافی عرصہ تک وہیں رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول، حضرت نواب صاحب اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے اس وقت مدرسہ بھی جو بالکل ابھی ابتدائی حالت میں تھا۔ باغ میں ساتھ چلا گیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ انہی دنوں طاعون کا موسم بھی تھا۔ اور چوہدری حاکم علی صاحب جو چک نمبر ۹ پنیار ضلع سرگودہا کے رہنے والے تھے۔ قادیان آئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ٹھہرنے کے متعلق دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ آپ ہمارے شہر والے مکان میں چلے جائیں۔ اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے طاعون سے خاص طور پر محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی ہم سے کیا ہے۔

یہ بات میں نے اس لئے بھی خاص طور پر کہی ہے۔ کہ بعض دوستوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ عین طاعون کے دنوں میں حضور اس مکان کو چھوڑ کر باغ میں کیوں چلے گئے تھے جس کے متعلق حفاظت کا خاص خدائی وعدہ موجود تھا۔ سو اس بارے میں یاد رکھنا چاہئے کہ حضور طاعون سے بچنے کی خاطر اس مکان کو چھوڑ کر باغ میں نہیں گئے تھے۔ بلکہ یہ جانا محض زلزلہ کی وجہ سے۔

تھا۔ ورنہ چوہدری حاکم علی صاحب کو حضور ایسا نہ فرماتے۔ ا
طرح طاعون نو نزلہ سے پہلے بھی تھی۔ اور بعد میں بھی اس کے ا
رہے۔ ان دنوں حضور کی رہائش اسی "الدار" میں تھی۔ باقی جہا
تک دوسرے ظاہری اسباب کا تعلق ہے۔ حضور ان کی ر
بھی ضرور رکھتے تھے۔ چنانچہ حضور اپنے مکان کے نچلے صحن میں
لکڑیوں کا ڈھیر لگوا کر اس کو آگ دلوا دیا کرتے تھے
ہوا وغیرہ صاف ہو جائے۔ اور جراثیم اگر ہوں۔ تو مر
رہیں۔ اسی طرح ایک بڑی انگیٹھی کوئلوں کی ہوا کرتی تھی۔ وہ
اس غرض کے لئے اوپر کی منزل میں استعمال ہوا کرتی تھی۔ او
بسا اوقات کمروں میں گندھک وغیرہ کی دھونی کا انتظا
بھی ہوتا تھا۔ گویا "الدار" میں خاص طور پر رہائش سے جہا
حضور کو خدا تعالےٰ کے حفاظت کے خاص وعدہ پر کلی یقی
تھا۔ وہاں الٰہی منشاء کے مطابق حضور اس حد تک ظاہری اسبا
کی رعایت کو بھی ہمیشہ اختیار فرماتے تھے۔ جس حد تک قانو
قدرت اس کا متقاضی ہے۔ اور جس حد تک کسی الٰہی نشان کے اشتبا
کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ کہ کوئی شخص آپ کی مجلس میں آیا۔ اور ادھر اس کے دل میں کوئی خیال یا سوال پیدا ہوا۔ اور ادھر حضرت اقدس نے اسی کے متعلق تقریر شروع فرما دی اس وقت ایک کشمیری دوست حاجی عمر ڈار صاحب ناسنوری۔ کا واقعہ میرے ذہن میں ہے۔ یہ حاجی صاحب خواجہ محمد عبداللہ صاحب دکاندار گول بازار ربوہ کے نانا تھے۔ کشمیر سے حج کی غرض سے روانہ ہوئے تو پنجاب آکر پتہ چلا کہ کسی وبا کے پھوٹنے کی وجہ سے حکومت نے حج پر جانے والوں کے لئے پابندی لگا دی ہے۔ اس پر وہ واپس کشمیر جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ کہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی جو کشمیر سے ان کے واقف تھے۔ غالباً سیالکوٹ میں ان سے ملے۔ انہوں نے تمام حالات سننے کے بعد کہا کہ آؤ میں تمہیں ایسی جگہ لے چلوں۔ جہاں تمہاری حج کی نیت بھی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب ہی انہیں ساتھ لے کر قادیان آئے۔ حضور کی مجلس میں جونہی یہ پہنچے حضور نے آیت قرآنی ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ کا درس شروع فرما دیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ

ساری نیکیاں بجا لاتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی بھی کرتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ اور حج کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر اپنے بہن، بھائیوں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال نہیں رکھتے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ حاجی عمر ڈار صاحب ایک مدت سے اپنے چھوٹے بھائی کسی ڈار کا حصہ جائداد دبائے بیٹھے تھے اور نہیں دیتے تھے۔ اس وعظ سے ایسے متاثر ہوئے کہ قادیان سے ہی انہوں نے اپنے بھائی کے نام انہیں جائداد کا حصہ دینے کا خط لکھ دیا اور کشمیر جاتے ہی عملاً بھی اس کا حصہ ادا کر دیا۔

یہ اس تاثیر قدسیہ کی ایک معمولی سی مثال ہے جو اللہ تعالےٰ کے ماموروں اور برگزیدہ انسانوں کو عطا کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے خوب فرمایا ہے کہ

ساعتے در صحبتِ اہلِ صفا
بہ ز صد سالہ عبادت بے ریا

کہ اللہ تعالےٰ کے پیاروں اور دوستوں اور اس کے ساتھ صدق و صفا کا تعلق رکھنے والوں کی صحبت اور مجلس کا ایک لمحہ اور ایک ساعت بھی اپنے روحانی نتائج اور تاثیرات کے اعتبار سے انسان میں وہ انقلاب پیدا کر سکتی ہے جو صد سالہ عبا

اور ریاضت کے ذریعہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حکمت ہے جسکے پیشِ نظر قرآن مجید نے صادقین کی معیّت اور صالحین اور خدا کے نیک بندوں کی رفاقت اور صحبت پر زور دیا ہے دوستوں کو یہ باتیں اپنے کردار میں عملاً پیدا کرنی چاہئیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنے مخلصین اور ماننے والوں کی اصلاح اور نیکیوں میں اُنکی ترقی کے لئے جو خواہش اور تڑپ رہتی تھی۔ وہ تو ہر ایک پہ واضح ہی ہے۔ حضور ان لوگوں کی اصلاح کے لئے بھی ہمیشہ کوشاں رہا کرتے تھے جو کسی زمانہ میں حضور سے ارادت و عقیدت رکھتے رہے تھے لیکن بعد میں شامتِ اعمال سے ان کی ایمانی حالت میں فرق آگیا تھا۔ ایسے ہی لوگوں میں میر عباس علی لدھیانوی تھے۔ اسی طرح مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ جو پہلے حضور کے ساتھ نہایت محبت اور دوستی کا دعویٰ رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں ان کی یہ حالت نہیں رہی تھی۔ ایسے لوگوں کی اصلاح اور واپسی کے لئے بھی حضور ہمیشہ اپنے دل میں تڑپ محسوس کرتے رہے۔ اور اس کے لئے عملی کوشش فرماتے

رہے ہیں۔

میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ ایک دفعہ حضور نے حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی کو فرمایا تھا کہ آپ کے ساتھ ان کے تعلقات رہے ہیں لہٰذا آپ اُن کو جا کر سمجھائیں۔ چنانچہ قادیان سے حضرت منشی ظفر احمد صاحب ایک دفعہ لدھیانہ اس غرض کے لئے گئے بھی تھے بلکہ اسی واقعہ کے سلسلہ میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ گو یہ محض لطیفہ ہی نہیں بلکہ ایک ایمان افروز بات بھی ہے۔ کہ اسی موقعہ پر جب منشی ظفر احمد صاحب کو حضور جانے اور جا کر میر عباس علی صاحب کو سمجھانے کا ارشاد فرما رہے تھے۔ حضور کا ایک نوکر پیرا نامی بھی موجود تھا۔ اپنے حواس کے اعتبار سے یہ شخص متوازن نہیں تھا۔ ایک مجذوبانہ سی کیفیت رکھتا تھا۔ سودا سلف بازار سے لایا کرتا تھا۔ جب حضور نے حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو لدھیانہ جانے کے لئے کہا۔ تو اس نے بھی بڑھ کر عرض کیا۔ کہ حضور مجھے بھی اجازت دیں میں بھی جا کر میر صاحب کو سمجھاؤں گا چنانچہ حضور نے فرمایا کہ اچھا تم بھی منشی صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔ چنانچہ پھر یہ دونو وہاں گئے تھے۔ وہاں جا کر بھی یہ لطیفہ ہوا

کہ پیرا نے منشی ظفر احمد صاحب سے کہا کہ پہلے مجھے سمجھا لینے دیں چنانچہ پیرا نے میر عباس علی سے بات کی اور اپنے فہم کے مطابق بات کرتے ہوئے کہا کہ میر صاحب آپ واپس آجائیں۔ میں جس طرح دوسرے مہمانوں کے لئے کھانا لا کر دیا کرتا ہوں۔ اسی طرح آپ کو لا کر دیا کرونگا اسی طرح آپ کو پہلے بھی جو پیسے میں دیتا رہا ہوں اب بھی لا کر دے دیا کروں گا۔ اس کے بعد منشی صاحب نے بھی ان کو سمجھایا لیکن جس طرح سال گذشتہ میں نے بیان کیا تھا۔ یہ میر عباس علی کی شامتِ اعمال تھی کہ اب ان کی واپسی کا وقت گذر چکا تھا۔

اسی طرح مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے متعلق مجھے یاد ہے کہ حضور کو اکثر یہ خواہش رہتی تھی کہ مولوی صاحب راہِ راست پر آجائیں اسی ضمن میں مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز بٹالہ تشریف لے گئے۔ اور دوستوں کے علاوہ شیخ یعقوب علی صاحب مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے قیام گاہ کے قریب ہی مولوی محمد حسین صاحب کو پھرتے دیکھا۔ تو آ کر حضرت خلیفۃ المسیح سے ذکر کیا۔ آپ نے شیخ صاحب کو فرمایا۔ کہ آپ کسی طرح ان کو یہاں لے آئیں۔ شیخ یعقوب علی صاحب مرحوم مولوی محمد حسین صاحب سے پرانے ملنے والے تھے بے تکلفی

سے انہیں اپنے ساتھ کوٹھی میں لے آئے لیکن جونہی مولوی صاحب کو پتہ لگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی وہاں موجود ہیں۔ دوسری طرف سے نکل بھاگے۔ شیخ صاحب نے بے تکلفی سے کہا مولوی صاحب اب تو ایمان لے آئیں۔ اس پر مولوی محمد حسین صاحب کا جواب یہ تھا کہ

"اگر مرزا صاحب زندہ ہوتے تو میں ضرور بیعت کر لیتا۔ اب ان کے بعد نوجوانوں کی کیا بیعت کرنی ہے"۔

——— وقت قریباً قریباً ہو گیا ہے۔ ایک اور روایت دوستوں کو سنا کر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں میں نے بارہا یہ محسوس کیا ہے۔ کہ حضور اپنے پاس آنے والے مہمانوں اور دوستوں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک ٹھہرنے اور قیام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ متعدد پرانے صحابہ مثلاً حضرت منشی روڑے خان صاحب حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحب، حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور اسی طرح کئی اور دوستوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ کہ وہ جب آتے اور واپس جانے لگتے تو حضور انہیں مزید ٹھہرنے کا ارشاد فرماتے۔ چنانچہ ایسے دوست اور زیادہ قیام کرتے اور حضور کے فیض صحبت سے مالا مال ہوتے۔ یہ

امر جہاں حضور کی اس شفقت و محبت کی دلیل ہے جو حضور کو اپنے خدام اور مخلصین سے تھی۔ وہاں در اصل اس خواہش اور کوشش کی بھی شاہد ہے جو حضور اپنے خدام کے اندر ایک روحانی انقلاب اور تغیر پیدا کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ رُوحانی تغیر اور ایمان کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے صرف کتابیں اور لٹریچر اور تقاریر کافی نہیں بلکہ وہ مقام جو کسی مامور من اللہ یا کسی برگزیدہ خدا کے فیضِ نظر سے ایک لمحہ میں کسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ سینکڑوں سالوں میں بھی ہزاروں علمی کتابوں کے پڑھنے اور سننے سے حاصل ہو سکے! امام اور مرکز سے دلی لگاؤ در اصل ایمان کو ترقی دینے کے دو بڑے اہم اسباب ہیں! اور ہماری جماعت کے دوستوں کو ان دونوں کی اہمیت یقیناً پہلے سے بہت بڑھ کر محسوس کرنی چاہیئے۔ آجکل مادیت کی لہریں پھر زور سے سر اٹھا رہی ہیں۔ اور دنیا داری کے خیالات خصوصاً نوجوان نسلوں کے اذہان میں پرورش پانا شروع ہو گئے ہیں۔ ان دونو کا مؤثر علاج یہ ہے کہ امام جماعت، نظام جماعت اور مقام جماعت یعنی مرکز سے گہری وابستگی اور پیوستگی پیدا کی جائے۔ اور ان کے لئے دلوں میں ایک خاص محبت کا جوش لہریں مارنا شروع کر دے ——— یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر میسر نہیں آتیں۔ تاہم اس کے فضل کے جذب کرنے کے لئے

بھی کچھ نہ کچھ کوشش اور ہمت کی ضرورت ضرور ہے۔

جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ان چیزوں کو خاص
طور پر پیدا کرنیکی کوشش کریں اور یہ کوشش صرف اپنے تک ہی محدود نہ
رکھیں کہ یہ مومن کی صحیح شان کے خلاف ہے بلکہ اسے دوسروں تک بھی وسیع
کریں اور خصوصاً بڑی عمر کے وہ لوگ جنہوں نے روحانی تجارب اور ثمرات
سے زیادہ حصہ پایا ہے۔ وہ نوجوانوں اور آئندہ نسلوں کے لئے اس سلسلہ
عملی نمونہ پیش کریں۔ امام کے وجود اور مرکز سے افراد کی محبت اور وابستگی ہی
دراصل مادیت کے تند و تیز طوفانوں میں انسانی ایمان کو محفوظ رکھنے
کشتیٔ نوح ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق بخشے۔ ہم سب کا خود حافظ
ناصر ہو۔ ہمارا انجام بخیر کرے اور ہمیں اور ہماری آئندہ تمام نسلوں کو
ہمیشہ حق و صداقت اور نیکی اور تقویٰ شعاری پر قائم رکھ کر ان انعامات
سے نوازتا رہے جو اس نے اپنی عالی بارگاہ میں ایسے لوگوں کے لئے مقدر
کر رکھے ہیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)